مطبوعات

اسلامی ریاست میں علاقائی حقوق کا تصور | **از پروفیسر عبدالخالق شہریانی بلوچ**

(چہارگانہ ایم اے)۔ ناشر: مکتبۂ اصلاحِ ملّت کندھ کوٹ۔ لاہور میں ملنے کا پتہ: البدر پبلی کیشنز۔ راحت مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صاف ستھری جدید کمپوٹرمی طباعت، سفید کاغذ۔ دبیز آرٹ کارڈ کا رنگین سرورق۔ صفحات: ۱۲۸
قیمت: ۳۰/- روپے۔

پروفیسر عبدالخالق شہریانی بلوچ نے "ایک نئے موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب" (ص ۱۰) "۸ سالہ تحقیق و مطالعہ" (ص ۱۴) اور بہت سے علماء و مفکرین سے مشورے لے کر (ص ۴) پیش کی ہے۔ صوبوں کی تقسیم، اراضی، آبپاشی، ملازمتیں ایسے ہی مسائل پر جو انتشارِ فکر پایا جاتا ہے۔ اسے حل کرنے کے لیے پروفیسر صاحب نے قرآن، حدیث، قرونِ اُولیٰ کے تصورات اور صحابہ اور بعد کے اجتماعی نقطہ ہائے نظر سے استفادہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی ریاست میں نہ صرف علاقائی، بلکہ دائرۂ اسلام کے تحت جمع ہونے والی مختلف اقوام اور قبائل کے لیے واضح طور پر بعض استحقاقات معین کیے ہیں۔ اس سلسلے میں مسئلے کو ایک عالم و مفکر کے اس قول سے خوب نکھار دیا گیا ہے کہ "اس نظام میں قومی محبت کے لیے جگہ ہے۔ مگر قومی تعصب کے لیے جگہ نہیں۔ قومی خیر خواہی جائز ہے، مگر قومی خود غرضی حرام ہے۔" (ص ۳۰)

مجھے یہ کتاب اس لیے پسند آئی کہ اس کا مزاج انحراف پسندانہ نہیں، بلکہ محبتِ اسلام پر مبنی ہے، اس بی سطحی اور صحافیانہ انداز کے طعنے اور کوسنے، مذہبی عناصر کو دینے کے

فیشن سے اجتناب کر کے غیر جذباتی انداز میں صحیح اسلامی مآخذ کو سرمایۂ تحقیق بنایا گیا ہے اور متعدد ذمہ دار علما و مفکرینِ دین سے مشورہ لینے کے علاوہ ان کی کتابوں سے تائیدی دلائل جمع کیے گئے ہیں۔ جبھی تو مولانا احمد طاسین مدظلہ صدر مجلس علمی و رکن نظریاتی کونسل یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ "میں بھی متفق ہوں" (ص ۱۰)۔ میں نے حوالے اور ان سے اخذ کردہ نتائج کو پڑھا مگر کہیں ہیر پھیر کے طریقِ بیان کی جھلک نہیں دیکھی۔

مقدمہ پڑھ کر یہ تشنگی محسوس ہوئی کہ فرزندِ زمین (SON OF THE SOIL) کے نظریۂ فاسدہ کی کوئی تجزیہ کاری نہیں کی گئی۔ یہ مغرب کے تصورِ وطن پرستی کا لازمی نتیجہ ہے کہ جو ایک ہی ملک کے کسی علاقے کی قدیمی نسل سے نہیں رہے اس کو وہاں رہنے کا حق نہیں۔ اس نظریے کے تحت بھارت کے کروڑوں مسلمان، روہنگیا مسلمان (اراکان برما) اور خود پاکستان کے بعض علاقوں میں پاکستانیوں کے لیے جگہ نہیں۔ دوسرا سوال یہ حل نہیں کیا گیا کہ مہاجرت کر کے آنے والے تہی دست لوگوں کے لیے ہمارے پاس کس سرزمین میں کیا مقام ہے؟ تیسرے یہ کہ اگر ایک صوبہ میں ناکارہ پڑی زمینوں کو اپنی مہارت و محنت سے دس سال لگا کر دوسرے صوبے کے لوگ باغ و بہار بنا دیتے ہیں تو ان کا بدلہ یہ نہیں کہ ان کو کلاشنکوف دکھا کر، قتل کی دھمکیاں دے کر، ان کی فصلوں کو اجاڑ کر، ان کے مویشیوں کو بھگا کر، ان کے سامان لوٹ کر اور ان کی بیٹیوں کو قبضے میں کر کے ان کو خالی ہاتھ دھکیل دیا جائے۔ وہ تو ویران زمین کو سونا اگلنے پر مجبور کرنے والے ماہرین تھے، جن کو بہت اچھا معاوضہ دے کر رخصت کیا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح یونیورسٹیوں میں جو استاد اور علما پڑھانے کے لیے باہر سے طلب کیے گئے۔ یا جن طلبہ کو داخلہ ملا، ان کو قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا گیا۔ یعنی ہر جگہ جرائم پیشہ لوگ قانون ہاتھ میں لے کر انسانیت کے تقاضوں کو پامال کرتے ہیں اور یہ سب مسلم بھی کہلاتے ہیں۔

ہم پروفیسر صاحب سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ سیاسی و معاشرتی و معاشی ماحول کو موجودہ گندی صورت میں برقرار رکھ کر اگر صرف اس ایک "علاقائی حقوق" کے

معاملے میں اسلامی استدلال جمع کر دیا جائے تو اس سے کیا حاصل ہوگا، جب کہ بالفاظ پروفیسر اسد اللہ بھٹو، باقی تمام معاملات میں لوگوں نے (اور حکومت نے) "اپنے آپ کو اسلام کے حوالے نہ کیا؟" اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ پورا ملک اور پوری ریاست اور قوم اپنے تمام شعبہ ہائے زندگی کو اسلام کے حوالے کر کے وہ ماحول پیدا کرے جس کی تصویر آپ نے کتاب وسنّت کے حوالوں اور قرونِ اُولیٰ کی مثالوں اور علما کی تحقیقات سے کھینچی ہے۔ یہ بڑا کام اگر نہ ہو تو پھر آپ گندے تالاب میں کنول اُگانے کی ضرور کوشش کریں، مگر تالاب کا پانی نہ تو مفید صحت بن سکتا ہے اور نہ پاک۔

یعنی یہاں قضیہ ایک جزیہ میں اسلام سے انحراف کا نہیں، بلکہ عملاً کلی انحراف کا ہے۔ (چند افراد یا مختصر آدمیوں کے استثنیٰ کے ساتھ۔ لہٰذا اصل زور اساسی اور کلی اصلاح و تعمیر پر دینا چاہیے۔ ہر جزیہ خود بخود درست ہوتا جائے گا۔

فکر و نظر از جناب پروفیسر اسرار احمد سہاوری۔ ایم اے (ایل ایل بی)۔

ناشر: فروغ اکادمی — ۱۰۸، پی سٹیلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ۔ سفید کاغذ پر اچھی کتابت وطباعت۔ ۱۶۰ صفحات۔ مجلد مع سرورق۔ قیمت: ۸۰/- روپے۔

پروفیسر صاحب کی قابلیتوں کا تذکرہ کیے بغیر، مجھے یہ کہنا ہے کہ پہلے ان سے تعلق خاطر محض ہم قلمی و ہم قدمی کا تھا۔ بعد میں ایک طرف میرے لیے ان کی شفقتوں میں تیزی سے اضافہ ہوتا گیا۔ اور دوسری طرف وہ استادانہ اور مفکرانہ مقام کی بلندیوں کو طے کرتے چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ اب ان کی کتاب سے استفادہ تو خیر، اس کے تنقیدی تجزیہ کرنے کی جرأت کہاں باقی ہے۔

محض تعارف کے لیے عرض کرتا ہوں کہ یہ کتاب ان کے ۱۱ علمی و ادبی مقالات کا مجموعہ ہے۔ ۱۔ قرآن کا نظریۂ ادب ۲۔ مولانا ماہر القادری ۳۔ فلسفۂ انقلاب ۴۔ آداب مراسلہ نگاری ۵۔ موجودہ ادبی رجحانات ۶۔ اصغر گونڈوی خدا کے حضور

۷۔ پاکستانی ادب ۸۔ پاکستان کا غیر نظریاتی ادب ۹۔ جدید علامت نگاری ۱۰۔ حصولِ مسرت ۱۱۔ مولانا مودودی کا طرزِ نگارش۔

ان عنوانات کو جو اہمیت خدا پرستانہ ذہن کے نگارندوں کی نگاہ میں حاصل ہے اسی سے پروفیسر اسرار صاحب کی تگ و تازِ فکر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پسند اپنی اپنی ہوتی ہے۔ مجھے مولانا ماہر القادری، موجودہ ادبی رجحانات، اصغر گونڈوی خدا کے حضور میں، پاکستانی ادب، جدید علامت نگاری، حصول مسرت، مولانا مودودیؒ کا طرزِ نگارش زیادہ پرکشش تحریریں محسوس ہوئیں۔

صرف ایک بات، ہزار درجے پاس ادب و محبت کے ساتھ! "قرآن کا نظریۂ ادب" میں خصوصاً اور بعض دوسری جگہ نظریاتی بحثوں میں کہیں کہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ادب کی بات کو ادبی اصطلاحات، چاہے خدا پرستانہ ادبی فکر کو بیان کرنے کے لئے بالکل نئی اصطلاحات اور اندازِ بیان وضع کرنا پڑے۔ مذہبی رنگ میں اور مذہب کے حوالے سے نہیں لانا چاہیئے بلکہ مذہب کے بھی اونچے جامع تہذیبی تصور اور انسانی فلاح و بہبود کے ایک بڑے سسٹم (جس کے اندر مذہب بھی شامل ہے) کو لے کر چلنا درست ہوگا۔ اس کے لئے بہت سے دوست مختلف اطراف سے کوششیں کر رہے ہیں۔ آگے چل کر اس کا معیار بن جائے گا۔

ایک جگہ "مافوقی" کا استعمال دیکھا۔ دو تین مرتبہ یہ لفظ آیا ہے (ص ۱۵) اس کا مفہوم دو چیزوں کے تقابل کے لئے نہیں ہوتا کہ فلاں چیز فلاں چیز سے بالاتر ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک خاص شے یا نقشہ یا واقعہ یا منظر یا قانون کے ساتھ جب مافوق کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ جو جو کچھ بھی "اس" سے بالاتر ہے۔ لفظ "ما" پر توجہ درکار ہے۔ آپ نے جہاں اسے استعمال کیا ہے وہاں برتر یا بالاتر یا بلند تر جیسے الفاظ استعمال ہونے چاہئیں۔ یہ "ماتحت" کی مانند نہیں ہے۔ ماتحت کے معنی اردو میں بالکل بدل گئے ہیں۔ عام سی بات ہے۔ فلاں فلاں کے ماتحت ہے۔

مضامین میں اشعار کا انتخاب مطالعہ کی وسعت کا گواہ ہے۔

عشرہ مبشرہ تالیف: بشیر ساجد۔ ناشر: البدر پبلیکیشنز، راحت مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۹۶۸ خوبصورت جلد۔ عمدہ سفید کاغذ۔ طباعت و کتابت گوارا (کمپوٹر)۔ قیمت: ۱۶۰/- روپے مناسب۔

یہ کتاب محترم بشیر ساجد صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مرتب کی ہے۔ عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رُوح پرور حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے وہ مبارک ہستیاں ہیں، جنہیں ان کی زندگی میں ہی جنت کی بشارت دے دی گئی۔ اور یہ ایک ایسی سعادت ہے جو پوری دُنیا کے انسانوں میں صرف ان ہی خوش بختوں کے حصے میں آئی۔

یہ وہ شخصیات ہیں جو ایک ایسے اسلامی انقلاب کی داعی بن کر اُٹھیں جنہوں نے انسانی تہذیب و تمدّن کو نیا معیار عطا کیا اور یہ وہ عظیم الشان انسان تھے جن کی مثال ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔

عشرہ مبشرہ ایک ایسی کتاب ہے جس سے ہم علمی اور فکری رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ مؤلف نے طویل مگر احساسات سے معمور "حرف اوّل" میں اسلام کے "خیر القرون" کے حالات و شخصیات سے عمومی بے خبری پر شدید تاسف کا اظہار کیا ہے۔ وہ بڑے دکھ سے لکھتے ہیں کہ ہم اپنے شاندار ماضی اور اسلامی تاریخ سے منہ موڑ کر اپنی تاریخ، تہذیب، اور ثقافت ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے کھنڈرات میں تلاش کر رہے ہیں اور نئی نسل کو کعبہ کی بجائے ترکستان کی راہ پر چلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

عشرہ مبشرہ اسلام کے عظیم المرتبت دس صحابہ کرام کے حالات و واقعاتِ زندگی پر ایک مبسوط کتاب ہے۔ اس کے باوجود کتاب میں کمپوٹر کی غلطیاں جابجا کھٹکتی ہیں اکثر مقامات پر قرآنی آیات تک میں کتابت اور اعراب کی فاحش اغلاط ہیں۔ اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی صحت کا خیال نہیں رکھا گیا۔ علاوہ ازیں کتاب کے آخر میں حوالہ جات کی فہرست (کتابیات) کے اندراج کی زحمت بھی گوارا نہیں کی گئی، حالانکہ اس پایہ کی کتاب کے لیے یہ ایک ضروری امر تھا۔ (سید شبیر احمد)

چراغ جلتے رہے مصنف: صبا حسنی۔ ناشر: ادارۂ معارف اسلامی، منصورہ لاہور

صفحات: ۱۵۰ سائز: ۲۲×۱۸/۸ ۱ غیر مجلد۔ قیمت: ۳۰/- روپے

کچھ اہل ہمت چپکے سے کوئی چونکا دینے والا کام کر گزرتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف جناب صبا حسنی نے بھی یہ کتاب پیش کر کے ایک ایسا ہی کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ ان کی ۱۸ ایسی طویل نظموں پر مشتمل ہے جس میں تاریخِ اسلام کے بہت اہم واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

ان کی شاعری کا فکری پس منظر یہ ہے کہ غیر مسلم قوموں کی مادی ترقی حقیقی ترقی نہیں ہے۔ حقیقی ترقی وہ تھی جب نسلِ انسانی نے انصاف اور بے انصافی کے فرق کو سمجھا تھا اور مظاہر پرستی اور توہم پرستی کی تاریکیوں سے نکل کر خدا پرستی اور علم و ایقان کی روشن فضا میں سفر شروع کیا تھا۔ اس زمانے میں آسمانِ زندگی پر عظیم انسانوں کی صورت میں ان گنت تابناک ستارے طلوع ہوئے تھے۔

جناب صبا حسنی نے ایسی ہی عظیم شخصیتوں کے حوالے سے تاریخِ اسلام کے بہت اہم واقعات نظم کئے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ کام بہت خوب صورت انداز میں کیا ہے۔ طویل نظموں میں شعر کا حسن بہت مشکل سے باقی رہتا ہے، لیکن "چراغ جلتے رہے" کے شاعر نے شاعری کا حسن برقرار رکھا ہے۔ مضامین کے ربط کے اعتبار سے ان نظموں کی حیثیت مثنوی کی ہے، لیکن بحر مثنوی کی نہیں۔ یہ ہیئت کی بات ہے، لیکن شعر کے اثر اور پاکیزہ مضامین کے اعتبار سے کوئی ادنیٰ کمزوری بھی نہیں۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے ایسی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ اور نوجوانوں کو اس کے مطالعے کی ترغیب دی جائے۔ (نظر زیدی)